وعدہ کی قیمت

کہتے ہیں ایک عرب قافلے کو راجہ داہر کی فوج نے لوٹ کر گرفتار کر لیا۔ اس قافلے کی ایک لڑکی کسی نہ کسی طرح اپنی گرفتاری کا پیغام حجاج کے پاس پہنچانے میں کامیاب ہوگئی پیغام حجاج کے سامنے پڑھا گیا۔

"اغثنی یا حجاج" (اے حجاج مدد کر!) حجاج تڑپ کر پکار اٹھا:۔

"لبیک" اور محمد بن قاسم کی فوج کو مدد کے لیے دوڑا دیا۔

"اغثنی" "اغثنی" "اغثنی"

سوا سو سال تک کشمیر میں یہی صدا گونجتی رہی۔ لیکن کسی نے اس کو نہیں سنا۔ یہاں تک کہ یہ گونج ایک آہ، ایک نالہ، ایک فریاد بن کر آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑی جس کے دھماکے نے مشرق سے مغرب تک روئے زمین کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔

کشمیر کو دنیا جنت الفردوس سمجھتی رہی۔ لیکن اس فردوس کے نیچے کشمیری عوام کے لیے جو جہنم کا لاوا دہک رہا تھا، اس کو کسی نے محسوس نہیں کیا۔ سیاح فردوس بر روئے زمین پر رشک کرتے رہے، شاعروں نے اس کے حسن کی مدح سرائی کی، مصوروں نے اس کے دلکش مناظر کی تصویریں بنائیں۔ اس وادی کے دلکش نظارے، اس کے پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں ان کی پُر پیچ پگڈنڈیاں، سحر خیز دامن، نظر فریب ہریالی، ٹھنڈی میٹھی ہوا اور کھلی پُر کار فضا، یہ سب باتیں ایسی ہیں جنھیں لوگ قصّے کہانیوں میں استعمال کرتے رہے۔ لیکن حسن، دلکشی،

نظر فریبی، ہریالی اور خوشگواری کی اس تہہ میں کشمیر کے پچاس لاکھ غریب، مصیبت زدہ، دھنکارے اور ٹھکراتے ہوئے عوام کی جو دم توڑتی سسکیاں اُبھرتی رہیں، ان پر کسی نے کان دھرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اب پاکستان نے عوام کی آواز کے ساتھ آواز ملا کے جو صدا بلند کی تو اس کی گونج سے ساری دنیا کے کان کھڑے ہو گئے ہیں۔

کشمیر کی تاریخ کا سیاہ ترین دَور کوئی سوا سو سال پہلے ۱۸۴۶ء میں شروع ہوتا ہے۔ جب کہ ایک انگریز کی سازشیں نقطۂ عروج پر پہنچیں اور انھوں نے ایک معاہدے کے تحت (جسے معاہدۂ امرت سر کہتے ہیں) کشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ پچھتر لاکھ روپے میں فروخت کر دیا تھا۔ اور اس طرح کشمیری عوام کے خلاف سازشیں کر کے انھیں غلامی کی دُہری زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ یہ اُن کے حق خود اختیاری پر پہلی کاری ضرب تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیر کی وادیوں کو ہی نہیں، وہاں کے عوام، عوام کی آزادی، ان کی مسرت، خوشی اور ہنسی کو بھی خرید لیا تھا۔ ڈوگرا راج کی بنا پڑ گئی تھی اور باشندگانِ کشمیر کے گرد غلامی کا ایک مضبوط خول چڑھ گیا تھا جس کے اندر وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ وہ ایک صدی تک تڑپتے رہے، اور کسی کا اتنے عرصے تک تڑپتے رہنا ہی اس کی زندگی اور جد و جہد کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ وہ جینے کے لیے بار بار مرتے رہے۔ لوگوں پر کاروبارِ روزگار کے دروازے بند ہو گئے، اور وسائل محدود کر دیئے گئے، ذرائع چھن گئے اور ڈوگرہ حکومت عوام سے اتنی بے خبر اور بے پروا ہو گئی کہ کشمیر ایک ہیبت ناک قحط کی گرفت میں آ گیا۔ لوگ جوق در جوق قطاریں بنا کے، قافلوں کی صورت میں، جتھوں کی شکل میں پنجاب کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ اور جو رہ گئے ان پر موت کے سائے منڈلانے لگے۔ ایک بڑی اکثریت لقمۂ اجل بن گئی!

یہ ایک مرتبہ کی بات نہیں ہے۔ یہ ایک مسلسل اور بے کراں قحط تھا جو کشمیری عوام کا مقدر بن گیا۔ ہر دس بارہ سال کے بعد انھیں اسی قسم کے ایک مہلک قحط کی خندقوں میں دھکیل دیا جاتا۔ مارے بھوک کے ایک افراتفری ساری وادی میں پھیل جاتی۔ لوگ اپنی

ایک ایک لوئی اور کانگڑی سنبھالتے اور مہاجروں کا قافلہ پنجاب کی طرف روانہ ہو جاتا۔ جو پیچھے رہ جاتے اُن میں اکثر موت کا شکار ہو جاتے۔ اور جو زندہ بچتے وہ سخت جان ہو جاتے۔ ایک غیر ملکی سیاح نے کشمیر کی تاریخ پڑھنے کے بعد کہا تھا کہ "جب میں دیکھتا ہوں کہ اتنی مصیبت اٹھانے کے بعد بھی کشمیر کے لوگ بے پناہ حسین ہیں۔ ان کے رنگ صاف، آنکھیں گہری سیاہ اور چمک دار ہیں۔ نقش کٹیلے اور جسم متناسب ہیں تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی"

یوں تو ہر مہاراجہ کشمیری عوام پر ایک عذاب ہی بن کر نازل ہوا لیکن ڈوگرہ راج کا بدترین دور راجہ ہری سنگھ کا ہے جس نے اپنے انتہائی ظالمانہ رویے، اپنی متعصب ذہنیت اور تنگ نظری کے باعث کشمیری عوام خاص طور پر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ وہ کاشتکاروں کے غلّے کا بڑا حصّہ مالیے کی شکل میں سمیٹ لیتا۔ ایک ایک شئے پر تین تین بار ٹیکس وصول ہوتا۔ اگر زمین کا ٹیکس لیا جا رہا ہے، تو اس میں اُگے ہوئے درختوں کا ٹیکس الگ ہے اور درختوں پر لگے ہوئے پھل کا ٹیکس علیحدہ۔ وہ تاجروں دوکانداروں، دستکاروں، کاشتکاروں اور زمینداروں ہی سے بھاری ٹیکس وصول نہیں کرتا تھا، بلکہ بڑھیوں، لوہاروں، قصابوں، ملاحوں اور طوائفوں تک پر ٹیکس عائد کر رکھے تھے۔ اس طرح پیشہ ور عورتوں کی کمائی کھانے میں بھی اسے کوئی عار نہیں تھی اس کے دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو ایک خلیج حائل ہو گئی اس کا ذمہ دار اور محرک یہ حکمران خود تھا۔ اس نے مسلمانوں کی صنعتوں پر یا تو اپنی اجارہ داری قائم کر لی تھی، یا ۸۵ فی صد سے زیادہ ٹیکس عائد کر دیتے تھے۔ اس نے مسلمانوں پر سرکاری دفاتر کے دروازے بند کر دیئے اور برسرِ کار مسلمانوں کو خاص طور سے جو انتظامیہ میں تھے چُن چُن کر ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دیا۔ ایک ایسا ملک جہاں ۸۰ فی صدی آبادی مسلمانوں کی تھی وہاں گائے کشی گردن زدنی جُرم قرار دے دیا اور اس کے تدارک کے لیے

باشندوں کو اسلحہ کے لائسنس جاری کر دیئے - اس طرح وادی میں خوف و ہراس کی فضا پیدا ہو گئی - اپنی ہی رعایا میں نفاق ڈالنے کی یہ ایک ایسی حرکت تھی جس کی مثال تعصب و نفرت کی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی -

دراصل ہری سنگھ کی دیدہ دلیری اور انتہائی ظلم کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سو سال تک غلامی کی چکی میں پسینے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ کشمیری عوام غفلت اور بے حسی کی گہری نیند سو گئے ہیں اور شاید اب کبھی بیدار نہ ہوں گے - یہی اس کی بہت بڑی غلط فہمی تھی - اسی قسم کی غلط فہمی ایک بار چینیوں کے بارے میں بھی دنیا کو ہو گئی تھی، انھیں افیونی اور بھنگی سمجھا جاتا تھا - ایسے افیونی اور بھنگی جو کھانے کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں لیکن افیون اور بھنگ کے بغیر نہیں جی سکتے -

ایک مرتبہ میکارتھر نے چینیوں کے ایک بہت بڑے ہجوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے ماہروں نے بڑی محنت سے تجربے کرنے کے بعد تمہارے لیے افیون اور پوست کے نئے پودے اگائے ہیں جو عنقریب تم لوگوں کو پہنچا دیئے جائیں گے اور جن کا نشہ تم زندگی بھر نہیں بھول سکو گے " اور انھیں افیونیوں اور بھنگیوں کے ملک میں آج افیون کی ایک گولی اور بھنگ کا ایک پتا نظر نہیں آتا - وہ آج دنیا کی نہایت بہادر اور جری قوم کہلاتی ہے -

کشمیریوں کے بارے میں بھی راجہ ہری سنگھ کو یہ گمان ہو گیا تھا کہ وہ ایک ایسی خوابیدہ قوم ہے جو کبھی بیدار نہیں ہو سکتی - لیکن ایک زوردار جھٹکے نے مہاراجہ ہری سنگھ کے اس خیال کو نہ صرف تبدیل کر دیا بلکہ اس کے ذہن کی چولیں ہلا دیں - یہ سنہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے - جب پہلی مرتبہ کشمیری عوام نے ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر مہاراجہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، ظلم و ستم کے ستائے ہوئے کشمیری سر سے کفن باندھے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے گلیوں اور سڑکوں میں نکل آتے اور ان کے باغیانہ نعروں کی فلک شگاف . . . . گونج سے مہاراجہ کے قصر حکومت کے در و دیوار متزلزل ہو گئے - ہجوم ایک عزم اور ولولے کے ساتھ

آگے بڑھتا گیا۔ ڈوگرہ سپاہیوں نے جب خندقیں تانیں تو جواب میں آزادی کے متوالوں نے سینے تان لیے اور اس طرح ان کے آگے بڑھتے ہوئے قدموں کو گولیوں سے روکا گیا۔ لیکن انھیں پیچھے نہیں ہٹایا جاسکا۔ اس جلوس کی رہنمائی شیخ محمد عبداللہ کر رہے تھے، جو اس وقت ایک نوجوان قائد کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ اَن گنت جانیں قربان ہوئیں اور متعدد گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ خون میں لت پت دَم توڑتے ایک نوجوان نے اسی معرکہ میں شیخ محمد عبداللہ سے کہا تھا۔ "شیخ صاحب میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب آپ اس تحریک کو جاری رکھیئے"!

اور یہ تحریک جاری رہی۔ وقت کے ساتھ ساتھ کشمیری عوام کے مسائل جتنے زیادہ پُر پیچ ہوتے گئے اس تحریک کی اہمیت اور افادیت اتنی ہی بڑھتی گئی۔ اور برصغیر کی تقسیم کے وقت جب ہندوستان اور پاکستان کو اپنی اپنی آزادی ملی تو غلام کشمیر ایک بار اور غلام ہوگیا۔ اور اس تحریک نے ایک نیا موڑ بدلا۔

۱۹۴۷ء میں ہندو پاکستان کو آزادی ملی اور کشمیری عوام کو اس سے محروم کر دیا گیا تو لائحہ عمل اور نظریات جن کی بنیاد پر برصغیر کے لوگوں کو آزاد کیا گیا محض ہندوستان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کشمیر کے لیے قابل عمل نہ بن سکے۔ اب بھارت اسے غلط کہے یا صحیح لیکن بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ برصغیر کی تقسیم مذہبی بنیادوں پر ہوئی تھی اور بھارت نے اس تقسیم کو علانیہ تسلیم کیا تھا یعنی ہندو اکثریت کے علاقے میں ہندوستان اور مسلمان اکثریت میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ لیکن چونکہ اندرونی طور پر بھارت پاکستان کے وجود کا مخالف تھا لہٰذا اس نے اپنے قول و فعل میں تضاد پیدا کر کے برصغیر کی آزادی کے منصوبے میں رخنے ڈالنے شروع کیے اور کشمیر کو اپنی حکمت عملی کا اکھاڑا بنا دیا۔ حالانکہ یہ کشمیر کا مسئلہ اتنا سیدھا سادہ اور آسان تھا کہ اٹھارہ سال نہیں بلکہ اٹھارہ دن سے بھی کم عرصے میں اسے حل کیا جا سکتا تھا۔ لیکن بھارت نے اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کوئی ایسا اصول کشمیر پر عاید نہیں ہونے دیا

جو کشمیری عوام کی رہائی کا باعث بنے۔ کشمیر کے سوال پر اس نے اٹھارہ سال سے صرف طاقت ہی کے اصول پر سختی سے عمل کیا ہے اور اپنے کیے ہوئے اس وعدے سے کہ کشمیریوں کو ان کی مرضی کے مطابق اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے گا، اس طرح پھر گیا ہے جیسے اس نے کوئی ایسا وعدہ کیا ہی نہیں تھا۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت چھوٹی بڑی ۵۶۵ ریاستیں تھیں۔ ان میں سے صرف تین ریاستوں کا تنازعہ پیدا ہوا۔ جوناگڑھ، حیدرآباد اور کشمیر اور تینوں تنازعے بھارتی نیتاؤں کے پیدا کردہ تھے۔ ان کے سلسلے میں بھارت نے اس اصول کو اپنایا کہ :-

"تیرا مال میرا ہے۔ اور میرا تو میرا ہے ہی"۔ نواب جوناگڑھ نے اپنی ریاست کا الحاق پاکستان سے کر دیا تھا لیکن بھارتی حکومت نے فوجیں بھیج کر طاقت کے بل بوتے پر ریاست پر قبضہ کر لیا۔ جواز یہ پیش کیا کہ نواب جوناگڑھ کے اس طرزِ عمل سے ایک تو کاٹھیاواڑ کی دوسری ریاستوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ دوسرے ریاست کی بڑی آبادی ہندوؤں کی ہے۔

نظام حیدرآباد دکن نے الگ رہنے کی کوشش کی تو اس پر دباؤ ڈال کے ایک سال کا معاہدہ کر لیا اور ابھی یہ معاہدہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بھارت نے فوجوں سے چڑھائی کر کے حیدرآباد کی عظیم ریاست پر بھی قبضہ کر لیا۔

تیسری ریاست جموں و کشمیر تھی جس پر بھارت نے کسی قسم کے اصول کو مدنظر رکھے بغیر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اور یہی غاصبانہ قبضہ اس کے حلق میں ہڈی بن گیا ہے جسے نہ بھارت اگل سکتا ہے نہ نگل سکتا ہے۔ اس نے چالیس لاکھ کشمیریوں کی زندگی کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ اور اپنے اس جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لیے اٹھارہ سال تک کشمیری عوام کے مقدر سے جس طرح کھیلا ہے، جس طرح امن اور شانتی کے اصولوں کا قتل عام کیا ہے جو بے پناہ جھوٹے وعدے کیے اور جس طرح ان وعدوں سے پھر گیا، ان بد دیانتیوں کی

فہرست بہت طویل ہے۔

برطانیہ جب برصغیر کی حکمرانی سے دستبردار ہوا تو اس نے ریاستوں کا معاملہ لاینحل چھوڑ دیا۔ اس سلسلے میں برطانیہ کی نیت جو بھی ہو، تاہم ہمارے پاس ان ریاستوں کو تقسیم کرنے کا ایک فارمولا تھا۔ یعنی انھیں مذہبی یا جغرافیائی بنیادوں پر تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ خود آخری برطانوی وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن نے برصغیر کے رئیسوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ انھیں اختیار ہے کہ وہ چاہے ہندوستان سے الحاق کر لیں یا پاکستان سے۔ لیکن الحاق سے پہلے اس کے جغرافیائی رشتے پر منصفانہ اور دانشمندانہ غور کر لیں۔

بھارت کا کشمیر سے کوئی بھی رشتہ نہیں تھا اور نہ ہے۔ کشمیریوں اور بھارتیوں میں سماجی سیاسی یا جغرافیائی اختلاف اتنا ہی ہے جتنا کشمیریوں اور نازیوں میں ہو سکتا تھا۔ اس کے برعکس کشمیر نہ صرف پاکستان کا ایک حصّہ ہے بلکہ پاکستان کی جڑ بھی ہے۔ کشمیر کی تین سمتیں تو قدرتی طور پر پاکستان سے ملحق ہیں۔ پاکستانی دریاؤں کے منبع کشمیر میں ہیں۔ پاکستانی ہوائیں کشمیر سے آتی ہیں۔ کشمیر اور پاکستان کے درمیان صرف زمین ہی سانجھی نہیں، مذہب ایک ہے۔ ثقافت ایک ہے، رہن سہن، طور طریقے، بول چال کون سی چیز ہے جو پاکستانیوں اور کشمیریوں میں مشترک نہیں۔ پورے برصغیر کو کشمیر سے ملانے والا ایک ہی راستہ ہے جو راولپنڈی سے سنی بینک (مری) کوہالہ، بارہ مولا سے گذرتا ہوا سری نگر جا پہنچتا ہے۔ یہ وہی عظیم شاہ راہ ہے جس پہ سے مغلیہ خاندان کی شاندار سواریاں گزر کر کشمیر پہنچتی تھیں۔ اسی سڑک سے حکومت برطانیہ کے فرمانروا گذرے۔ اور آج کشمیر میں جو علم کی شمعیں روشن ہیں وہ بھی اسی شاہ راہ کی مرہونِ منت ہیں۔ سری نگر میں آج بھی ان گنت لوگ موجود ہیں جنھوں نے راولپنڈی کے مراکز میں بیٹھ کر میٹرک کے امتحان پاس کیے تھے اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی اے کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔ یہ واحد قدرتی راہ گزر ہے جو پوری دنیا کو کشمیر سے ملاتی ہے۔ اور جس پہ آج بھارت نے نفرت، تعصب،

سیاست اور اقتدار کی ایک بھیانک دیوار کھڑی کر دی ہے اور اس طرح کشمیر کے جسم پر ایک پھوڑا اگا دیا ہے۔ اور کشمیر کے جسم کو دو حصوں میں کاٹنے کے لیے اس پر اپنی ہوس کا آرا چلا دیا ہے۔

کشمیر کسی طرح بھی ہندوستان کا حصہ نہیں ہے۔ کشمیری زمین کا ایک انچ حصہ بھی کہیں ہندوستانی زمین سے نہیں ٹکراتا۔ تقسیم کے وقت کشمیر میں بھارتی افواج بھیجنے کا اس کے پاس صرف فضائی راستہ تھا۔ ضلع گورداس پور جہاں مسلم اکثریت تھی ایک سازش کے تحت ہندوستان کے سپرد کیا گیا۔ تاکہ ہندوستان کا کشمیر کے ساتھ مواصلاتی نظام قائم ہو سکے۔ حالانکہ اصولی طور پر گورداس پور پاکستان کے حصہ میں آچکا تھا۔ بعد میں ہندوستان نے اسی علاقے کی مدد سے ایک تیس میل لمبا راستہ پہاڑ کاٹ کر بنایا۔ اور کشمیر سے اپنے فریب مکر، بد دیانتی کی سرحد ملائی۔ لیکن یہ سب باتیں اتنی غیر قدرتی، غیر منطقی اور غیر عقلی تھیں کہ شروع میں کشمیر یا ہندوستان کے کسی حکمراں میں اتنی ہمت نہ پیدا ہو سکی کہ وہ کھل کے کہہ سکے کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے۔ یہ بات کہنے کے لیے بھارت نے اپنی سازشوں کی رفتار تیز کر دی۔ اور اپنے ناپاک مقاصد کے لیے آہستہ آہستہ زمین ہموار کرنی شروع کر دی۔

کشمیری عوام کی حالت قابلِ رحم تھی۔ برصغیر کے ۴۰ کروڑ سے زیادہ انسانوں کو آزادی مل چکی تھی لیکن کشمیر کے ۴۰ لاکھ افراد اس نعمت سے محروم تھے اور ان کی قسمت کا فیصلہ انگریز حکمران نے صرف ایک آدمی کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اس ایک آدمی کو کشمیری عوام سوا سو سال سے جانتے تھے۔ وہ گلاب سنگھ کے رُوپ میں ان پر مسلط ہوا۔ رنبیر سنگھ کا چولا بدلا پرتاپ سنگھ کی شکل میں سامنے آیا۔ اور پھر ہری سنگھ کی صورت دکھائی۔ وہ ہر رُوپ میں پہلے سے زیادہ ظالم اور سفاک بن گیا۔ اس نے کبھی ان کے دھڑے کی بات نہیں کی، اور اب اسی ظالم، بے انصاف اور متعصب آدمی کے ہاتھ میں چالیس لاکھ انسانوں کی زندگیاں دے دی گئی تھیں۔ اور اس بات کے خطرے سے ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں کہ کہیں

انھیں پاکستان سے الگ نہ کر دیا جاتے ۔ اور پاکستان سے الگ کرنا ایسا ہی تھا جیسے شہ رگ سے کاٹ دینا۔ کشمیریوں کے پاکستان کے ساتھ مذہبی، ثقافتی، معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور جغرافیائی رشتے اتنے گہرے اور مضبوط تھے کہ ان سے بیک جنبش قلم کشمیریوں کو محروم کر دینا مہاراجہ کے اختیار میں نہ تھا۔ وہ ان کے احساسات اور جذبات سے آشنا تھا، اس لیے اس نے ایک بزدل کے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کیے۔ اس نے الحاق کشمیر کے فیصلے کو بظاہر التوا میں ڈال دیا اور حکومت پاکستان سے معاہدہ کر لیا کہ وہ اس کے ساتھ انتظامی تعلقات ویسے ہی قائم رکھے گا۔ جیسے کہ سبکدوش حکومت برطانیہ کے ساتھ تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بھارت سے مل کر کشمیریوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں جن سے کشمیر کے سیاسی افق پر نئی نئی تبدیلیاں ظہور میں آنے لگیں۔ ہندوستان سے دھڑا دھڑ دہشت پسند رضا کاروں کی درآمد شروع ہو گئی اور مہاراجہ کی سرپرستی میں راشٹریہ سیوک سنگھ کی تحریک زور پکڑ گئی۔ یہ ایک طرح کی نیم فوجی جماعت تھی (اور ہے) جس نے لوگوں کو خاص طور سے دیہاتی آبادی کو قتل و غارت گری سے ہراساں کرنا شروع کر دیا۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دی۔ لوٹ مار کی اور مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہلاک کیا۔ لنڈن ٹائمز کے نامہ نگاروں کی اطلاع کے مطابق دو لاکھ سینتیس ہزار (۲۳۷۰۰۰) مسلمانوں کو یا تو خاتماں برباد کر دیا سرحد سے پرے دھکیل دیا۔ پوری ریاست میں ایک سنسنی پھیل گئی اور لوگوں کی عزت و ناموس گھر بار مال و جائیداد اور عورتوں کی عصمتوں تک ہر چیز کا تحفظ ایک افسوس ناک خطرے میں گھر گیا۔

اس طرح خوف، دھمکی اور دہشت کی فضا قائم کرنے کے بعد اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ نے بدنصیب کشمیریوں کی مرضی کے خلاف ریاست کا الحاق بھارت سے کر دیا۔ باوجودیکہ کشمیر کے ہندو وزیر اعظم رام چند کاک نے اس کی سخت مخالفت کی تھی اور مہاراجہ کو اس کے نتائج سے آگاہ کر دیا تھا۔ پنڈت کاک کو اس سچائی کی پاداش میں وزارت عظمیٰ سے الگ کر دیا گیا اور اس کی جگہ مہر چند مہاجن کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ مہاراجہ نے اگرچہ یہاں بھی بزدلی کا

مظاہرہ کیا اور الحاق کے بارے میں کشمیری عوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ الحاق عارضی ہے اور آخری اور حتمی فیصلہ کشمیر کی دستور ساز اسمبلی کرے گی۔ اس فیصلے کے خلاف پوری ریاست میں نفرت اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کشمیر میں مجاہدین کی جنگ آزادی تو لڑی ہی جا رہی تھی وہ اور تیز ہو گئی۔ مہاراجہ نے ان مجاہدین کو پاکستانی حملہ آور قرار دیا۔ اگر یہ مجاہدین پاکستانی ہوتے تو بھی پاکستان کو اختیار تھا کہ وہ کشمیری مسلمانوں کی مدد کے لیے مجاہدین بھیجتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں لڑنے والے لوگوں میں بڑی اکثریت کشمیر کے پونچھی مسلمانوں کی تھی۔ پونچھ میں ۹۵ فی صد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ "ڈیلی میل" لندن کے نمائندے کی اطلاع کے مطابق ہندوستان میں انگریز کی فوج کو سب سے زیادہ سپاہی پونچھ نے دیئے ہیں۔ اور سب سے زیادہ تمغے بھی پونچھ ہی کے لوگوں نے حاصل کیے ہیں۔ لہٰذا ان پونچھیوں کا اپنے حقوق کے لیے لڑنا کوئی ایسی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ آزادی کے متوالوں کی جنگ زور پکڑ گئی۔ ایک بار پھر مہاراجہ کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آنے لگا اور اس نے حسب معمول بزدلانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے سری نگر سے راہ فرار اختیار کی اور جموں میں پناہ گزیں ہو گیا۔ جموں کے راج محل سے حکومت ہند کو مہاراجہ نے نہایت بے حیائی سے تار دیا کہ اسے فوری طور پر فوجی امداد بھجوائی جائے۔ بھارت تو موقع ہی کی تاک میں تھا۔ اس نے بغیر کسی تاخیر کے ریاستی امور کے سکریٹری کو سری نگر روانہ کیا اور شام تک کشمیر کے الحاق کی نام نہاد دستاویز منگوا لی جو مہاراجہ کی طرف سے گورنر جنرل کو پیش کی گئی۔ گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اسے ہندوستانی حکومت کے ایما پر قبول کر لیا۔ یہ سارا کام نہایت عجلت سے انجام دیا گیا۔ بس اس کے بعد فوراً بھارت میں اسلحہ اور فوج کی سپلائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور کشمیر پر بھارت کی نو آبادیت کے سائے گہرے ہو گئے اور بھارتی فوج مست ہاتھیوں کی طرح کشمیر کی گلیوں اور سڑکوں میں دندنانے لگی۔ یہ اس بھارت کی فوج تھی جو اپنے آپ کو ایشیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک کہتا ہے اور جہاں سیکولر نظام قائم ہے یعنی مذہبی حد بندیوں سے بالا حکومت لیکن مذہبی تعصب کا یہ عالم ہے کہ ہندو مہاراجے کی مدد کے لیے ۴۰ لاکھ عوام کے خلاف اپنی

فوج دوڑادی - ایک ہندو مہاراجے کا الحاق بغیر کسی تامل کے قبول کرلیا - لیکن ایک مسلمان نواب (جوناگڑھ) کے الحاق کے خلاف فوج روانہ کردی - یہ ایک غیر مذہبی حکومت ہے جو کشمیر میں اس لیے رائے شماری نہیں کراتی کہ کشمیری مسلمان اور پاکستان مذہب کی بنیاد پر رائے شماری چاہتے ہیں اور ایک غیر مذہبی حکومت اس قسم کی رائے شماری کی اجازت نہیں دے سکتی لیکن یہی غیر مذہبی حکومت حیدرآباد اور جوناگڑھ پر محض اس لیے غاصبانہ قبضہ کرلیتی ہے کہ مذکورہ ریاستوں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے - یہ ایک غیر مذہبی حکومت ہے - اس غیر مذہبی حکومت نے ہندو راجے کا الحاق کتنی تیزی سے قبول کیا اور اس غیر مذہبی حکومت کو مسلمان نوابوں کے ارادے اور الحاق سے کتنی سخت تکلیف ہوئی کہ ان کا فوجی محاصرہ کرلیا - یہ ایک غیر مذہبی حکومت ہے جس نے کشمیر کے ۴۰ لاکھ انسانوں کی زندگی کو کسی آدم خور دیو کی طرح ایک مٹھی میں بھینچ لیا ہے - اس کشمیر کو جس سے اس کی کوئی سرحد نہیں ملتی ثقافتی، معاشرتی، سیاسی، ادبی، تہذیبی، لسانی کسی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ میل نہیں کھاتا - اس کشمیر کو ایک غیر مذہبی حکومت نے صرف ایک ہندو راجے کی پکار پر ہتھیالیا ہے - اپنے سیکولرزم کا ڈھنڈورہ پیٹتے اس کی زبان نہیں تھکتی - وہ اٹھارہ سال سے امن، امن، امن، شانتی، شانتی، شانتی کی مالا جپتے ایک لمحہ بھی نہیں شرماتا - یہاں تک کہ دنیا اس کے دعووں سے شرمانے لگ گئی ہے - اور اس کا ہر دعویٰ اور ہر نعرہ محض ایک ڈھونگ بن گیا ہے - اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور خاص اہمیت رکھتے ہیں :-

(ا) کشمیر کے نام نہاد الحاق کو اگرچہ بھارت نے مشروط پر تسلیم کیا تھا لیکن پاکستان نے اس کی شدید مخالفت کی اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا - کیونکہ اس سے پہلی بات تو یہ تھی کہ تقسیم کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی تھی -

(ب) یہ فیصلہ کشمیری عوام کی مرضی اور خواہشات کے خلاف ان پر مسلط کیا گیا تھا -

(ج) الحاق کے وقت مہاراجہ اور حکومت پاکستان کے درمیان ایک معاہدہ موجود تھا جس

کی رُو سے مہاراجہ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ کشمیر کی موجودہ صورت حال میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی کرے اور نہ یک طرفہ فیصلہ کرنے کا قانونی طور پر مہاراجہ کے پاس کوئی جواز تھا۔

(د) الحاق کی پیش کش کے وقت مہاراجہ کشمیر سے پرواز کر گیا تھا۔ اور ریاست کے بڑے حصّے پر انقلابیوں کا قبضہ تھا۔

(ہ) خود بھارت کے اعلان کے مطابق الحاق عارضی اور مشروط ہے جس کا کہ کوئی قانونی جواز نہیں۔

بنا بریں پاکستان نے 'الحاق' کی شدید مذمت کی اور کشمیری عوام سے عہد کیا کہ انھیں حق خود اختیاری دلانے میں پاکستان کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گا۔ بھارتی حکومت نے بھی کشمیری عوام سے اسی قسم کا وعدہ کیا اور الحاق کے اعلان کے فوراً بعد گورنر جنرل ہندوستان نے ایک ریڈیو نشریہ میں کشمیری عوام کو تسلّی دی کہ الحاق عارضی ہے اور کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ عوام کی مرضی سے کیا جائے گا۔ اس کے بعد پندرہ سال سے زیادہ عرصے تک بھارت کے وزیر اعظم بھی ایسی ہی طفل تسلیوں سے کشمیری عوام کا دل بہلانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس سلسلے میں متعلقہ حکام اور خاص طور پر بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک سو سے زیادہ ایسے باضابطہ بیانات موجود ہیں جن میں کشمیری عوام کو رائے شماری کے ذریعہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا یقین دلایا گیا ہے۔ اور پھر بعد کے دور میں تقریباً اتنے ہی متضاد بیان موجود ہوں گے جن میں نہایت دیدہ دلیری سے اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ کشمیر بھارت کا جزو لاینفک ہے ؎

چہ دلاور است دُزدے کہ . . . . . .

سب سے پہلے بھارت کے گورنر جنرل نے فرمایا ہے کہ کشمیر کا الحاق ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔ اس الحاق کو ہم نے عارضی طور پر تسلیم کیا ہے۔ جوں ہی ریاست میں امن بحال ہو گا، ریاست کے لوگوں کی مرضی سے کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۲۸ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے پاکستان کے وزیر اعظم کے نام مندرجہ

ذیل تار بھیجا :-

"الحاق کے سلسلے میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ یہ مسئلہ صرف کشمیری عوام کی مرضی سے طے کیا جائے گا۔"

۲ر نومبر ۱۹۴۷ کو پنڈت نہرو نے آل انڈیا ریڈیو سے قوم کے نام جو پیغام نشر کیا اس کی بڑی تاریخی اہمیت تھی اور وہ بھارت کی مکارانہ ذہنیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے پنڈت نہرو نے فرمایا :-

"ہم نے واضح طور پر اعلان کر دیا ہے کہ کشمیر کی قسمت کا آخری فیصلہ صرف کشمیری عوام ہی کریں گے۔ ہمارا وعدہ (جسے مہاراجہ کی حمایت حاصل ہے) نہ صرف کشمیری عوام بلکہ پوری دنیا سے ہے۔ ہم نہ تو اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ کر سکتے ہیں۔ ہم ہر وقت تیار ہیں جب بھی ریاست میں امن بحال ہو گیا ہم اقوام متحدہ جیسے کسی بین الاقوامی ادارہ کے تحت ریاست میں رائے شماری کرا دیں گے۔ ہم یہ رائے شماری منصفانہ طور پر اور عوام کی مرضی کے مطابق کرانا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے ہر فیصلے کو قبول کر لیں گے۔ اس سے زیادہ صاف اور ایماندارانہ پیش کش میں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

یہ بیان ایسا تھا جس سے کشمیری عوام کی بھی ڈھارس بندھی۔ پاکستان کو بھی کسی قدر اطمینان ہوا اور دنیا والے بھی نہرو کی "حق گوئی" اور فلسفیانہ قیادت کے قائل ہو گئے۔ ۲ر نومبر کو یہ پیغام نشر ہوا تھا اور ۴ر نومبر کو پنڈت جی نے پاکستان کے وزیر اعظم کے نام ایک تار روانہ کیا :-

"میں آپ کی توجہ کشمیر سے متعلق اپنے بیان کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو گذشتہ شام ریڈیو سے نشر ہوا۔ میں نے اس بیان میں اپنی حکومت کی پالیسی کی وضاحت کی اور واضح طور پر اس بات کا اعلان کیا کہ ہمارا کشمیر پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اور یہ کہ آخری فیصلہ صرف کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق ہی ہو گا۔ میں نے مزید کہا کہ اقوام متحدہ جیسے غیر جانبدار

ادارے کی نگرانی میں رائے شماری کرانے پر ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

یہ اصول ہم ہر اُس ریاست میں برقرار رکھنے کو تیار ہیں جس کے الحاق کا مسئلہ متنازعہ ہو۔ اگر آپ کی حکومت بھی یہ اصول تسلیم کرنے پر تیار ہو تو ہمارے لیے کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔"

۸ نومبر کو جو تار پاکستان کے وزیر اعظم کے نام بھیجا گیا اس میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار تھا۔ ۲۱ نومبر کو وزیر اعظم نہرو کا مندرجہ ذیل خط وزیر اعظم پاکستان کے نام آیا۔

کشمیر کے الحاق کا مسئلہ کشمیری عوام کی مرضی یا رائے شماری سے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی طے ہونا چاہیئے۔"

۲۵ نومبر کو پارلیمنٹ میں بھارتی وزیر اعظم نے مندرجہ ذیل بیان دیا:۔

"اپنے عزم اور کردار کی تکمیل کے لیے ہم نے طے کیا ہے کہ لوگوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا موقع دیا جائے اور یہ کام کسی اقوام متحدہ جیسے غیر جانبدار ادارے کی زیر نگرانی طے ہونا چاہیئے۔ کشمیر کی صورت حال بہت نازک ہے۔ اور یہ مسئلہ جابرانہ قوت سے نہیں۔ بلکہ عوامی کی مرضی سے طے ہونا چاہیئے۔"

اگرچہ ہندوستانی رہنماؤں کی اس قسم کے بیانات کی فہرست بہت طویل ہے تاہم ان میں سے چند اور کا نقل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہی وہ بیانات ہیں جن کی روشنی میں دنیا پنڈت نہرو کو امن، صلح، شانتی اور انصاف کا دیوتا ماننے پر مجبور ہو گئی تھی۔ یہی وہ بیانات تھے جو کشمیر کے عوام کو منزل کی نشان دہی کرتے تھے۔ انھی بیانات کو پاکستان نے صحیح سمجھا۔ کیونکہ اس وقت کس کو معلوم تھا کہ یہ کسی بہروپیئے کا راگ ہے۔ اسے پاکستان بھارت کے وزیر اعظم کی زبان سمجھتا تھا۔ ایسا وزیر اعظم جس کے ہاتھ میں ۴۰ کروڑ عوام کی باگ ڈور تھی جس نے ماضی میں آزادی کے لیے ایک طویل جدوجہد کی تھی، جو فلسفے کی زبان میں بات کرتا تھا، جس کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو لوگ کتابوں میں تحریر کر لیتے تھے۔ اس آدمی کی زبان کو پاکستان بکرے کی زبان کی طرح چاروچھ آنے کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ جس فلسفی نے خود سو سال کے بعد

غلامی کی زنجیریں توڑی ہوں وہ چالیس لاکھ افراد کو غلامی کی زنجیروں میں کیسے باندھ سکتا ہے۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ پنڈت نہرو اور بھارت کے دیگر رہنما لگاتار پاکستان، کشمیر اور اقوام متحدہ کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کرتے رہے کہ اس کو سرمہ مقوی بصر سمجھو۔ ۱۲ دسمبر ۴۷ء کو ہندوستانی وزیر اعظم نے پاکستان کے وزیر اعظم کے نام جو تار روانہ کیا اسے ملاحظہ کیجئے:۔

"لاہور والی ملاقات کی روشنی میں ہم نے اس موضوع پر اور بھی غور کیا ہے۔ آپ نے اقوام متحدہ کو مدعو کرنے کا جو سوال اٹھایا ہے اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم پہلے ہی سے تیار ہیں کہ اقوام متحدہ کے مبصرین آئیں اور رائے شماری کے سلسلے میں ہمیں مشورے دیں۔ میرا خیال ہے کہ اقوام متحدہ کی امداد کا اس سے بہترین طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

میں نے جو یہ پیش کش کی ہے کہ اقوام متحدہ اپنے غیر جانبدار مبصرین بھیجے اور رائے شماری کے مشورے دے مجھے اس بات کا اعتراف کرنے دیجئے کہ اس سے اچھی میں کوئی اور بات نہیں سوچ سکتا ہوں۔"

پنڈت نہرو نے ۵ مارچ ۴۸ء کو دستور ساز اسمبلی میں ایک بیان دیا جس میں کشمیر میں رائے شماری کی حمایت کی۔ کشمیر پر جو قرطاس ابیض شائع ہوا اس میں کہا گیا کہ کشمیر میں ہر نقطۂ نظر کے لوگوں کو ووٹ استعمال کرنے کا حق دیا جائے گا۔ پنڈت نہرو نے ۱۹۵۱ء کو لندن میں ایک پریس کانفرنس کے دوران میں کشمیری عوام کو حق خود اختیاری دینے کا پھر اعلان کیا۔ پھر اسی بات کا اعادہ لندن سے واپس آکر پارلیمنٹ میں کیا۔ اس سلسلے میں بھارتی وزیر اعظم کا وہ بیان کتنا حیرت انگیز ہے جو انھوں نے ۴ جون ۱۹۵۱ء کو کشمیر کے ایک جلسۂ عام میں دیا۔ اس وقت اس بیان کو پڑھنے اور سننے کے بعد لوگوں نے بیان دینے والے کو امن کا پیغام بر تک کہہ دیا تھا۔ لیکن آج کشمیری عوام کی کس مپرسی کا عالم دیکھ کر وہ بیان کتنا مضحکہ خیز معلوم ہو رہا ہے۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے کوئی مداری اپنی ڈگڈگی بجا کر اسٹیج سے نیچے اتر آیا

ہو۔ بیان مندرجہ ذیل ہے :۔

"سب سے پہلے تو میں آپ کو ماضی کے ان خوشگوار ایام کی یاد دلانا چاہتا ہوں جب میں ۱۹۴۷ء میں سری نگر آیا تھا اور میں نے شریفانہ قول دیا تھا کہ ہندوستان کے لوگ کشمیری عوام کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں گے۔ اسی عہد کے ساتھ میں نے ایک کثیر مجمع کے سامنے شیخ عبداللہ سے ہاتھ ملایا تھا۔ میں اس قول کو آج پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی حکومت اپنے اس کیے ہوئے وعدے کو نبھائے گی چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔"

ہندوستان کے وزیر اعظم کی رپورٹ جو انھوں نے ۹ جولائی ۵۱ء کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں پیش کی یہ تھی :۔

"کشمیر غلط طور پر ہندوستان اور پاکستان کے لیے ایک انعام سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ کشمیر کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جسے خریدا یا بیچا جا سکے کشمیر کی اپنی منفرد حیثیت ہے اور اس کے مستقبل کا فیصلہ خود کشمیری عوام ہی کریں گے۔ وہ آج اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں ایسی جنگ جو میدان میں نہیں دماغ میں لڑی جا رہی ہے۔"

بھارتی وزیر اعظم کا ایک اور بیان ملاحظہ فرمائیے :۔

"کشمیر ہندوستان یا پاکستان کی جائداد نہیں ہے۔ کشمیر کشمیری عوام کا ہے۔ جب کشمیر کا ہندوستان سے الحاق ہوا تھا تو ہم نے کشمیری عوام کے رہنماؤں پر یہ بات واضح کر دی تھی، کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ صرف رائے شماری کے ذریعہ طے ہو گا۔ اگر وہ ہم سے کہیں گے کہ کشمیر چھوڑ دو تو ہم ایک لمحہ توقف کیے بغیر کشمیر سے نکل جائیں گے۔ . . . .

ہم نے یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا اور اس کے پُر امن حل کے لیے انھیں شریفانہ قول دیا۔ اور ایک عظیم قوم کی حیثیت سے ہم اپنے قول سے منحرف نہیں ہوں گے۔ ہم نے اس مسئلے کا آخری حل کشمیری عوام پر چھوڑ دیا ہے اور ہم ان کے ہر فیصلے کو قبول کریں گے۔"

منہ میں رام رام بغل میں چھری۔ یہ نظریہ تھا بھارت اور بھارتی وزیر اعظم کا۔

پاکستان اور کشمیری عوام جو پنڈت نہرو کے مزاج سے آشنا تھے۔

جنھوں نے پنڈت جی کو قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ انھیں وزیر اعظم کے امن اور رام رام کے الفاظ ہی کھٹکتے تھے۔ امن کی باتوں سے میدان کارزار کو جنم دینا ان کا مشغلہ بن گیا تھا۔ انھیں کوئی شکار کھیلنے کا شوق نہیں تھا لیکن زندگی بھر کشمیری عوام کی قسمت سے کھیلتے رہے۔ وہ کشمیر کی سرزمین کو ایسی چراگاہ سمجھنے لگے جہاں ان کی بکریاں چرنے کے لیے آتی ہوں کشمیر ان کے لیے ایک شکارگاہ بن گیا تھا جو اگر ان سے چھن گیا تو ان کے پاس مرغابیاں مارنے کے لیے اور کوئی جگہ نہیں رہے گی۔ کشمیر سے اس انس کا اظہار اگرچہ وہ کھل کر نہیں کر سکتے تھے لیکن آہستہ آہستہ بتدریج انھوں نے اپنے موقف سے ہٹنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ بدستور "کشمیر کشمیریوں کا ہے" کا نعرہ لگاتے رہے۔ ۲۶ جون ۱۹۵۲ء میں ہندوستانی وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں جو بیان دیا اس میں اپنی تکلیف کا کسی قدر اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اگر ایک معقول رائے شماری کے بعد کشمیر کے عوام نے کہا کہ ہم ہندوستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو ہم پر یہ فرض عاید ہو جاتا ہے کہ ان کا فیصلہ قبول کر لیں۔ اگرچہ ایسا کرنے سے ہمیں تکلیف ہو گی لیکن اس کے باوجود ان کے خلاف فوج نہیں بھیجیں گے ہم ان کا فیصلہ مان لیں گے چاہے ہمارے احساسات کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے۔ ہم اپنے (قول کے لیے) دستور کو تبدیل کر ڈالیں گے۔"

کشمیریوں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستانی وزیر اعظم چاہے دنیا کی آنکھوں میں کتنی ہی دھول جھونکیں ان کے ارادے نیک نہیں۔ کشمیر کو ہڑپ کرنے کی سازش کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ اور کشمیر کی نام نہاد اسمبلی سے الحاق کی منظوری کا فیصلہ زیر غور تھا۔ شیخ عبداللہ نے اب تک ہندوستان کے وعدوں کی بنا پر ان کا ساتھ دیا۔ وہ کشمیر کے مستقبل کا منصفانہ اور پُرامن حل چاہتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے جگری دوست جواہر لعل نہرو ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کشمیر کے الحاق کی منظوری کی کوششیں

ہو رہی ہیں تو انھوں نے اپنی وزارتِ عظمیٰ کے عہدے کی پروا کیے بغیر اس کی شدید مخالفت کی۔ نتیجے کے طور پر انھیں اپنے عہدے سے برطرف کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ ایک مختصر سے عرصے کے بعد انھیں پھر رہا کیا گیا اور شیخ صاحب کا ارادہ تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن انھوں نے کشمیر کے نام پر کسی قسم کا سودا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ لہٰذا دوبارہ جیل بھجوا دیئے گئے اور پھر پوری زندگی جیل میں گذار دی۔

شیخ عبداللہ کے بعد بخشی غلام محمد کو کشمیر کا وزیر اعظم بنا لیا گیا۔ بخشی غلام محمد نے ہندوستانی حکومت کے میاں مٹھو کا کام سرانجام دیا۔ بخشی نے دس سال تک بیک وقت اپنے ملک کے عوام اپنے محسن شیخ عبداللہ پاکستان اور اقوام متحدہ کو دھوکہ دیا۔ اس نے اس دھوکہ دہی سے کشمیر کی نام نہاد اسمبلی سے کشمیر کے الحاق کی منظوری دلوا دی۔ اس اقدام سے کشمیری عوام کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ پاکستان نے احتجاج کیا اور اقوام متحدہ نے جس کی پہلے ہی رائے شماری سے متعلق ایک قرارداد موجود تھی۔ دوسری قرارداد پاس کرتے ہوئے ہندوستان کو تنبیہ کی۔

متن حسب ذیل ہے :۔

۲۴ جنوری ۱۹۵۷ء "اقوام متحدہ دوبارہ اعلان کرتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کا فیصلہ عوام کی رائے شماری سے ہوگا۔ اس سلسلے میں کشمیر کی اسمبلی نے جو اقدامات کیے ہیں ان کی کوئی آئینی حیثیت تسلیم نہیں کی جائے گی اور نہ ان اقدامات سے ریاست جموں و کشمیر کے کسی حصّے کے الحاق کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

لیکن ہندوستان نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو کوڑے کرکٹ سے نکلے ہوئے کاغذ کے ایک ٹکڑے سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ ہندوستان کے امن پسند اور فلسفی رہنما وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے اب چپکے چپکے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کشمیر ہندوستان کا حصّہ ہے۔ اس کا جواز ان کے پاس یہ تھا کہ کشمیر اسمبلی نے منظوری دے دی ہے۔ دوسرے یہ کہ پاکستان نے اپنی فوجیں

آزاد کشمیر سے کیوں نہیں نکالیں اور امریکہ سے دفاعی معاہدے کیوں کیے۔ اور اسلحہ کیوں لیا۔

یہ منطق بخفی جس کے سہارے کشمیر پر قبضہ کیا گیا یعنی پاکستان آزاد کشمیر سے کنارہ کش ہوجاتا تاکہ آزاد کشمیر بھی ہندوستان کا جزو لاینفک بن جاتا۔ رہا امریکی اسلحہ تو وہ حق صرف ہندوستان ہی کو ہے۔ اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ پاکستان اور کشمیری عوام کو تباہ کرنے کے لیے روس، امریکہ، فرانس برطانیہ غرضیکہ ہر ملک سے اسلحہ فراہم کرے اور اس کے جواب میں پاکستان کسی ایک ملک سے بھی اسلحہ نہ لے اور جب ہندوستان کے چھ چھ سوٹینک دیوار بن بن کر پاکستان کی شہری آبادی پہ چڑھائی کر دیں تو پاکستانی ان کے استقبال کے لیے تختیاں لیے کھڑے ہوں جن پر جلی حروف میں لکھا ہو۔ "خوش آمدید"

کیا منطق ہے، اور کیا دلیل ہے۔ بہت کم لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو اتنی بلندی پر جا کے اتنی زور سے واپس پستی میں گرے ہوں۔ ہندوستان نے کھلم کھلا اعلان کرنا شروع کر دیا کہ کشمیر ہندوستان کے ساتھ چپکائے رکھنے کے لیے انھوں نے کشمیر کی سرسبز و شاداب وادی کو توپوں اور مشین گنوں سے لاد دیا اور اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج مسلط کر دی۔

کشمیریوں سے کیے ہوئے اس وعدے سے ہندوستان منحرف ہو گیا لیکن پاکستان اس وعدے پر قائم رہا۔ پاکستان نے روز اوّل ہی سے کشمیریوں سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ انھیں ان کا حق آزادی دلا کر دم لے گا۔ اور یہ اٹھارہ سالہ جدوجہد اس کا ثبوت ہے کہ پاکستان نے اس عہد کو نبھایا۔ بڑی سے بڑی جانی اور مالی قربانی دی۔ اقوام متحدہ کے دروازے کھٹکھٹائے اور ہر وہ قانونی طریقہ اختیار کیا جو پاکستان کے لیے ممکن تھا۔ یہاں تک کہ ہندوستان نے ایک سے زیادہ بار پاکستان کی سالمیت تک کو للکارا لیکن پاکستان نے ان تمام دھمکیوں اور خطرات کے باوجود کشمیر کی جدوجہد سے ہاتھ نہیں کھینچے اور اس عہد کو نبھانے میں سرگرم عمل رہا۔ پاکستان کے راستے میں طرح طرح کے کانٹے بچھائے گئے اور کئی بار جنگ کی سی صورت حال پیدا کر دی گئی لیکن پاکستان نے ہر بار جنگ سے گریز کیا اور جائز طریقے سے آزادیٔ کشمیر کا مطالبہ جاری رکھا۔ لہٰذا جب صدر محمدؐ ایوب خاں

نے اقتدار سنبھالا تو انھوں نے ایک فوجی ہونے کے باوجود ٹھنڈے دماغ سے کام لیا اور کشمیر کے فیصلہ کے لیے ہندوستان کے وزیر اعظم کو مصالحانہ پیش کش کی۔ نتیجے کے طور پر دونوں رہنماؤں کی ملاقات ہوئی اور ہندوستانی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ستمبر ۱۹۶۰ء میں پاکستان کا دورہ کیا۔ دونوں رہنماؤں میں تفصیلی بات چیت ہوئی اور مندرجہ ذیل مشترکہ بیان جاری کیا گیا۔

"کشمیر کے مسئلہ پر وزیر اعظم اور صدر نے نہایت دوستانہ طور پر تبادلہ خیال کیا۔ گفتگو نہایت خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ مسئلہ بہت نازک اور غور طلب ہے۔ صدر اور وزیر اعظم نے اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا کہ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے وہ مزید غور و فکر کریں گے۔"

لیکن جو قوم اپنے ضمیر کی قسمیں کھا کر اپنے شریفانہ قول دے کر اپنی زبان سے پھر سکتی ہے جو بین الاقوامی وعدوں سے انحراف کر سکتی ہے۔ اس کے نزدیک ایک مشترکہ بیان کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ مشترکہ بیان تو اسی صورت میں کار آمد ہو سکتا ہے۔ جب مشترکہ خصوصیات بھی ہوں۔ لہٰذا حسب معمول ہندوستان کے رویے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اگر ہوئی بھی تو تشدد کی کشمیری عوام پر ظلم و تشدد کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور اب تک وہ ہندوستان کی طرف سے دیئے ہوئے حق خود اختیاری کے جس وعدے پر جی رہے تھے۔ اب وہ وعدہ بھی ان سے چھن گیا تھا۔ صدر ایوب نے اس مسئلے کو منصفانہ طور پر حل کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور اس کوشش ہی کا نتیجہ تھا غالباً کہ بستر مرگ پر پہنچ کر پنڈت نہرو کے رویے میں کچھ تبدیلی پیدا ہوئی اور انھوں نے کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کا سوال اٹھایا۔ شیخ عبداللہ کی رہائی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ غالباً پنڈت نہرو یہ چاہنے لگ گئے تھے کہ ان کے قول و فعل میں جو تضاد پیدا ہو گیا ہے یا کشمیر کے موقف پر ان کی تبدیلی یا اطراف سے ان کی شخصیت پر جو دھبے لگ گئے ہیں انھیں مرنے سے پہلے دھو دیا جائے۔ پتہ نہیں پنڈت نہرو زندہ رہتے تو کشمیر کے حل میں مذکار

ثابت ہوتے کہ نہیں لیکن ان کے جانشین لال بہادر شاستری نے اس مسئلے کو اس طرح پیچیدہ بنا دیا کہ دنیا کا امن خطرے میں پڑ گیا۔ انھوں نے جب اقتدار سنبھالا تو اس وقت بھارت کی طرف سے اقوام متحدہ کی کئی قراردادوں کا خون ہو چکا تھا اور دو درجن سے زیادہ تجاویز کو رد کیا جا چکا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ لال بہادر شاستری نے اپنے دورِ حکومت کے آغاز ہی میں آزادیٔ کشمیر کے متوالوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے شروع کر دیئے۔ کشمیری عوام کو خانماں برباد کرنے کے ناپاک ارادے کیے۔ تحریک آزادی کو نہایت بے دردی سے کچلنے کی کوشش کی اور ان کے رہنماؤں اور کارکنوں کو چُن چُن کے جیلوں میں بند کرنا شروع کر دیا۔ جن میں شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے نام سرفہرست ہیں۔ صدر ایوب کی رہنمائی میں حکومت پاکستان نے شاستری حکومت سے بھی رابطہ قائم کیا اور مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کا مطالبہ پیش کیا۔ دولتِ مشترکہ کے ایک اجلاس کے دوران جب صدر ایوب نے وزیر اعظم شاستری سے کشمیر کے موضوع پر بات چیت کی تو شاستری نے نہایت بے بسی سے اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔
"میں تو چاہتا ہوں کہ مسئلہ کشمیر حل ہو جائے لیکن بے بس ہوں اور میرے اختیار میں کوئی بات نہیں ہے"۔ صدر ایوب نے شاستری کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ اگر وہ مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈ نکالیں گے تو اس سے نہ صرف یہ کہ کشمیری عوام کو آزادی کا سانس لینا نصیب ہو جائے گا بلکہ کروڑوں ہندوستانی باشندے ان کے احسان مند ہوں گے۔ شاستری نے وعدہ کیا کہ واپس ہندوستان جا کر اپنے مشیروں اور اپنی پارٹی کو رضامند کرنے کی کوشش کریں گے اور واپس جا کر انھوں نے کیا کیا؟ یہ پوری دنیا پر روز روشن کی طرح عیاں ہے!!!

رابرٹ لوئیس سٹیونس ایک بہت ہی مشہور ناول نگار گذرا ہے۔ وہ جسمانی طور پر نہایت ہی پست قد۔ بیمار اور کمزور تھا۔ اس کی شخصیت نہایت ہی غیر مؤثر تھی اور وہ بہت بُری طرح احساسِ کمتری کا شکار تھا۔ لہٰذا یہی احساس کمتری اس کی کتابوں میں نمایاں ہوا اور اس نے مار دھاڑ اور دنگے فساد سے بھرپور کتابیں لکھ ڈالیں۔ لیکن چونکہ وہ ادیب تھا،

اس لیے اس نے مار دھاڑ میں بھی نیکی کا عنصر نمایاں رکھا۔ مگر شاستری جی چونکہ ادیب نہیں تھے۔ بلکہ ستم ہائے زمانہ کے ستائے ہوئے سیاستدان تھے۔ لہٰذا ان کا احساس کمتری ہٹلر سے بھی زیادہ خوفناک طریقے پر سامنے آیا اور انھوں نے ایک نہایت ہی شکست خوردہ بزدل کی طرح اپنی پوری فوجی طاقت سے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ جب شاستری دور میں کشمیری جنگ آزادی زور پکڑ گئی تو ہندوستان نے کشمیری مجاہدین کو پاکستانی حملہ آور قرار دیا اور اس طرح پاکستان کو کشمیر کی حمایت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ پاکستان کسی دھمکی میں آئے بغیر بدستور کشمیری عوام اور مجاہدین کی حمایت کرتا ہے جس کی سزا کے طور پر ہندوستان نے کشمیر کے پچاس لاکھ عوام کے ساتھ ساتھ پاکستان کے دس کروڑ عوام کو بھی نشانہ ستم بنا دیا۔ اور پاکستان کی عمارتوں، اسکولوں، ہسپتالوں، مسجدوں دریاؤں نہروں ریگ زاروں اور جنگلوں غرضیکہ ایک ایک انچ زمین پر یا تو ہندوستانی بم برسنے لگے یا برسنے کے خطرات پیدا ہو گئے۔ دشمن نے اپنے نہایت ہی ناپاک ارادوں کے ساتھ چاروں طرف سے پاکستان پر بغیر کسی اعلان کے حملہ کر دیا، یہ پہلا حملہ ہمارے ثقافتی اور تہذیبی مرکز لاہور پر ہوا۔ اس حملے میں ہندوستان نے اپنے ٹڈی دل بکتر بند فوج کو جنگ کی بھٹی میں ڈھکیل دیا۔ کم ظرف اور کوتاہ نظر منصوبہ دانوں کا خیال تھا کہ پاکستان ایک بہت چھوٹا ملک ہے۔ اس کی فوج چھوٹی اور ذرائع محدود ہیں۔ لہٰذا ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر لاہور پر قبضہ کر لینے کے بعد وہ اپنی من مانی شرطیں پاکستان سے منوالیں گے تاکہ پاکستان آئندہ کے لیے کشمیر کی حمایت سے دستبردار ہو جائے اور اس طرح یہ حملہ نہ صرف پاکستان کی سالمیت پر تھا بلکہ کشمیر کو ہمیشہ کے لیے ہڑپ کر جانے کی ایک گھناؤنی سازش تھی۔ لیکن بزدل حملہ آور کو یہ بات حملہ کر لینے کے بعد معلوم ہوئی کہ پاکستان چھوٹا سہی لیکن کمزور نہیں ہے۔ پاکستان نے پوری دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ لڑنے کے لیے صرف گولہ بارود اور اسلحہ ہی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے اعلیٰ قیادت عمدہ کارکردگی شجاعت، حوصلہ مندی، جذبۂ وطن پرستی اور ایثار اور سب سے بڑھ کر ایک مقصد چاہیئے، ایک نیک مقصد

جس کی خاطر جنگ لڑی جا رہی ہو اور پاکستان کے پاس یہ نیک تر مقصد تھا، جدوجہد آزادیٔ کشمیر۔ اسی جدوجہد سے باز رکھنے کے لیے دشمن نے لاہور پر تین اطراف سے ایسا وحشیانہ حملہ کیا جو اس کے خیال میں لاہور کو ہضم کر جانے کے لیے کافی تھا۔ اس کے جہازوں کے اسکویڈرن گھناؤنے گدّوں کے غول کی طرح شہر پہ منڈلانے لگے۔ اور اس کے ٹینک کسی سیلاب کی طرح دندناتے ہوئے ہمارے تاریخی شہر پہ چڑھ دوڑے۔ ان کے جواب میں شیر دل پاکستانی افواج نے اپنے ہتھیار تان لیے۔ توپوں کے دہانے کھل گئے۔ جوابی بمباری ہوئی۔ جہاز حرکت میں آئے اور ہمارے جیالے جانباز سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکل آئے۔ وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر اپنے مقصد اور اپنے جذبۂ ایثار کو لے کر اس طرح آگے بڑھے کہ ہوس گیر حملہ آور کے بڑھتے ہوئے ہیبت ناک توپ خانے کو اپنی چھاتیوں کے زور سے روکا اور اس کی پوری قوت کو پاش پاش کر دیا۔ اور چوبیس گھنٹوں میں لاہور پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھنے والا دشمن جب فرار ہوا تو اس کے حملے کی آدھی سے زیادہ قوت تباہ ہو چکی تھی اور وہ اتنی افراتفری میں بھاگا تھا کہ اسے اپنے نہایت ہی قیمتی اسرار و رموز بھی ساتھ لے جانے کی فرصت نہ ملی اور اس طرح میدان جنگ میں بھگوڑوں کے چھوڑے ہوئے ہتھیاروں اور لاشوں کے ساتھ پاکستانی شہیدوں کے خون کے نشانات بھی باقی رہ گئے۔ ایک یادگار۔ پاک اور ناقابلِ فراموش متبرک خون۔ اور اس خون نے پاکستان اور کشمیر کے درمیان جدوجہد آزادی کا ایک مضبوط اور ناقابلِ شکست پل تعمیر کر کے تحریک آزادی میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کر دیا ہے۔

لاہور سے منہ کی کھانے کے بعد شکست خوردہ حملہ آور نے راجستھان اور نظریۂ پاکستان کے بانی اور مفکّر علامہ اقبال کے شہر سیالکوٹ پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا سنگین اور بڑا تھا کہ اس سے نہ صرف پاکستان کو دشوار گذار مقابلہ درپیش تھا بلکہ اس حملے نے ہندوستان کی فوجی طاقت کو بھی ایک آخری اور فیصلہ کن امتحان میں ڈال دیا۔ صرف ایک دن کی لڑائی میں ناعاقبت اندیش حملہ آور نے چھ سو ٹینک سیالکوٹ ایسے چھوٹے علاقے پہ چڑھا دیئے۔ لاہور کی پسپائی کے باوجود اس کی

غلط فہمیوں کا ابھی ازالہ نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور اس کوشش میں مصروف تھا کہ پاکستانیوں کے خون کی ندیاں بہا کر پاکستان کی حمایت سے محروم ہو جائیں لیکن کشمیر کبھی پاکستان کی حمایت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ پاکستان نے کشمیر سے عہد کیا ہے۔ کشمیری عوام کو زبان دی ہے کہ انھیں ان کا حق آزادی دلائے گا۔ اور یہ زبان وزیر اعظم شاستری پنڈت جواہر لال نہرو۔ یا کرشنا مینن اور رادھا کرشنن کی نہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی زبان تھی۔ لیاقت علی خاں کی زبان تھی اور صدر محمد ایوب خاں کی زبان تھی۔ یہ زبان پورے دس کروڑ پاکستانی عوام کی تھی اور سب سے بڑھ کر ایک مسلمان کی ایک مسلمان سے زبان تھی جس نے مظلوم کشمیر کی "اغثنی" کی صدا سُن کر "لبیک" کا ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا اور اس نعرے میں دس کروڑ عوام کے دل صدا بن کر ایک ساتھ گونج گئے اور اس گونج سے پوری کائنات دہل گئی۔ لیکن نا سمجھ اور حواس باختہ دشمن اس گونج کو کچلنے اور مسلنے کے لیے اپنی دیوانگی کا آخری وار بھی کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ اس نے سیالکوٹ کے محاذ پر اپنی بچی کھچی طاقت بھی جنگ کی بھٹی میں جھونک دی لیکن وہ سیالکوٹ ہو کہ لاہور۔ راجستھان کا علاقہ ہو یا چھمب جوڑیاں سیکٹر یا کھیم کرن۔ پاکستانی جہاں بھی لڑے گا وہ ایک جانباز کی طرح لڑے گا۔ یہ پورا ملک جانبازوں اور جانثاروں کا ملک ہے۔ ان میں کوئی کرائے کا سپاہی نہیں سب اپنے ملک اور اپنے موقف کے لیے لڑتے ہیں۔ ان سب کا مزاج یکساں اور جرأت مثالی ہے۔ لہٰذا سیالکوٹ کے محاذ پر بھی کفن بردوش جاں نثاروں نے جب چٹان کی طرح جم کر ہندوستان کے بڑھتے ہوئے ٹینکوں، توپوں اور طیاروں کا مقابلہ کیا اور اُن کی جرأت اور بہادری پر پوری دنیا دنگ رہ گئی اور ایک امریکی اخبار نے کتنی سچّی بات لکھی ہے کہ یہ مقابلہ دراصل داؤد اور جالوت کا مقابلہ تھا۔ اس مقابلہ میں قوی ہیکل، لحیم شحیم اور دیو قامت جالوت نے کم سن کم جثہ لیکن با تدبیر اور بہادر داؤد سے اس طرح مار کھائی کہ جالوت کی پوری شیطانی طاقت مسمار ہو کر خاک میں مل گئی۔

پاکستانی جیالوں نے اس طرح بھرپور وار کیے کہ ہندوستان کی ناقابل یقین یلغار کا رُخ پھر

گیا اور دشمن اپنے پیچھے ٹینکوں کا قبرستان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس فتح پر بھی ہمارے شہیدوں نے اپنے خون سے سنہ سرخیاں لکھی ہیں، جنھیں ہماری آیندہ نسلیں کبھی فراموش نہیں کر سکیں گی۔ ان شہیدوں کی بیوائیں، ان کے والدین، ان کے یتیم بچے، انکے دوست واحباب اور ہم وطن سب ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے اور ان کے خون سے سینچے ہوئے پرچمِ آزادی کو سربلند رکھیں گے۔

پیغمبرِ انسانیت : مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

سیرت نبوی پر یہ کتاب بالکل اچھوتے زاویۂ نظر سے لکھی گئی ہے جس میں صرف واقعات درج کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام مراحل میں انسانی اقدار کی کیسی اعلیٰ محافظت فرمائی ہے۔

صفحات ۶۳۲ —— ۱۰ روپے

مجموعۂ تفسیر ابومسلم اصفہانی : ترجمہ وتہذیب سید نصیر شاہ و دفیع اللہ

اس مجموعہ میں ابومسلم کے ان تفسیری اقوال کو یکجا کیا گیا ہے جو امام فخرالدین رازی نے تفسیر میں مختلف مقامات پر نقل کیے تھے۔ جہاں ابومسلم نے دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہے۔ وہاں مختصراً دوسرے مفسرین کے اقوال بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔

صفحات ۱۹۲ — ۳/۵۰ روپے

قرآن اور علم جدید (طبع دوم) : ڈاکٹر محمد رفیع الدین۔

بتایا گیا ہے کہ علوم جدید اور قرآن کے درمیان کیا رشتہ ہے۔

صفحات ۵۵۲ — ۶/۵۰ روپے

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ ———— لاہور